ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

عربی ادب کے اخلاقیات پر اثرات

The Influence of Arabic Literature on Ethics: A Research Study

Liaqat Ali Qadri
Ph.D. scholar, Islamic Studies, NCBA&E Lahore.
E-Mail:peer.qusuri@gmail.com
Dr. Muhammad Zia Ullah
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
NCBA&E, DHA Campus, Lahore
Email: zianoorani@gmail.com

Abstract:
Arabic literature has played a significant role in shaping moral values, ethical behavior, and intellectual development throughout Islamic civilization. From the pre-Islamic era to the modern age, Arabic literary works—including poetry, prose, sermons, biographies, and wisdom literature—have served as powerful means of promoting virtues such as honesty, justice, compassion, courage, patience, humility, and respect for human dignity. With the advent of Islam, Arabic literature underwent a profound transformation, becoming closely connected with the teachings of the Qur'an and the Sunnah of Prophet Muhammad (peace be upon him). Consequently, literary expression evolved into a medium for conveying religious guidance, moral education, and social reform.

This study examines the influence of Arabic literature on ethical values by analyzing its historical development, major literary genres, and contributions to individual and societal character building. It explores how classical and modern Arabic literary texts have encouraged moral responsibility, social justice, mutual respect, tolerance, and the pursuit of knowledge while discouraging immoral practices, oppression, and social corruption. The research also highlights the contributions of prominent Arab poets, writers, and scholars whose works have inspired ethical awareness across generations.

Furthermore, the study discusses the relevance of Arabic literature in addressing contemporary moral challenges in the era of globalization, digital communication, and cultural transformation. It concludes that Arabic literature remains an effective educational and cultural instrument for strengthening ethical consciousness and preserving Islamic moral values. The study recommends incorporating classical and contemporary Arabic literary works into educational curricula, encouraging critical literary analysis from an ethical perspective, and promoting interdisciplinary research that connects Arabic literature with ethics, education, and social sciences.

Key Words: *Arabic Literature, Ethics, Moral Values, Islamic Civilization, Character Building, Qur'an, Sunnah, Poetry, Prose, Moral Education.*

تعارف:

عربی ادب دنیا کے قدیم اور مؤثر ادبی ذخائر میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس ادب کی ایک اہم خصوصیت بلاغت ہے، جو الفاظ کے حسن، معانی کی گہرائی، اظہار کی دلکشی اور مؤثر ابلاغ کا فن ہے۔ قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ نے عربی بلاغت کو اعلیٰ ترین معیار عطا کیا، جس کے نتیجے میں عربی ادب نہ صرف فصاحت و بلاغت کا آئینہ دار بنا بلکہ اخلاقی اقدار کے فروغ کا بھی ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوا۔ عربی ادب میں سچائی، عدل، امانت، صبر، عفو و درگزر، اخوت، احترامِ انسانیت اور حسنِ اخلاق جیسے اوصاف کو نہایت بلیغ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلاغت نے انسانی فکر و کردار پر گہرے اثرات مرتب کیے اور معاشرتی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

تعارفِ موضوع

بلاغت عربی زبان کا وہ فن ہے جو مقتضائے حال کے مطابق مؤثر، فصیح اور بلیغ انداز میں اظہارِ خیال کی تعلیم دیتا ہے۔ عربی ادب میں بلاغت صرف ادبی حسن تک محدود نہیں بلکہ یہ اخلاقی تعلیمات کی مؤثر ترسیل کا ذریعہ بھی ہے۔ قدیم وجدید عربی ادب، خصوصاً قرآن کریم، احادیث نبویہ، خطبات، شاعری اور نثر میں بلاغت کے ذریعے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ قاری اور سامع دونوں کے دل ودماغ پر دیرپا اثر چھوڑتی ہیں۔ اس موضوع کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ عربی بلاغت نے اخلاقی شعور کی تشکیل، کردار سازی اور معاشرتی اصلاح میں کس حد تک مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ عربی زبان ایک زندہ وپائندہ زبان ہے۔ اس میں ہرزمانے کے ساتھ چلنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس زبان کو سمجھنے اور بولنے والے دنیا کے ہر خطے میں موجودہیں ۔عربی زبان وادب کو سیکھنا اور سکھانا ایک دینی وانسانی ضرورت ہے کیوں کہ قرآن کریم جوانسانیت کے نام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اس کی زبان بھی عربی ہے۔ عربی زبان معاش ہی کی نہیں بلکہ معاد کی بھی زبان ہے۔ماہرین نے لکھا ہے کہ دانتے کے مطابق بھی انسان اول حضرت آدم کی زبان کی تخلیق خدا نے فرمائی تھی۔اس زبان کے حوالہ سے دانتے رقمطراز ہے:

> I say that a certain form of language was created by God along with the first soul; I say 'form' with reference both to the words used for things, and to the construction of words, and to the arrangement of the construction.[1]
>
> میرے نزدیک خدا نے روح(آدم) کی تخلیق کے وقت ایک خاص زبان کو بھی تخلیق فرمایا۔ اس زبان میں تمام اشیاء کے نام، الفاظ کی بناوٹ، ان (حروف و الفاظ) کا آپس میں بناوٹی ربط موجود تھا۔

یہ تمام دلائل اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ دنیا کی پہلی زبان خدا کی تخلیق شدہ تھی نہ کہ انسانوں کی نیز قرآن حکیم کی آیت مبارکہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ جب اللہ تعالی نے حضرت آدم کو اشیاء کے اسماء پر الہامی طور پر آگاہی عطا فرمائی۔[2]

اولین زبان

انسانِ اول جب اس دنیا میں تشریف لائے تو قرآن مجید کے مطابق وہ ا س سےپہلے جنت میں ساکن پذیر تھے اور پھرانہیں وہاں سے زمین پر بھیجاگیا تھا۔ ([3])یہ بات مسلمہ ہے کہ اہل جنت کی زبان نہ سریانی ہےاور نہ عبرانی بلکہ صحیح حدیث جو جامع صغیرمیں بھی منقول ہوئی ہے،اس کےمطابق اہل جنت کی زبان عربی ہے۔[4]

احادیث رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اس بارے میں کسی قسم کا ابہام باقی نہیں رہتاکہ جب حضرت آدم وحوا جنت میں تھے تو ان کی زبان عربی تھی اورآپ جب اس دنیا میں تشریف لائے تواجابتِ توبہ کے وقت آپ عربی زبان ہی بولتے تھے([5])لہذا عربی زبان ہی اولین زبان ہےیہی وجہ ہے کہ علمائے لغت نے حضرت آدم کو "تمام اسماءسکھائے جانے" کا معنی بھی یہی مراد لیا ہے کہ انہیں عربی زبان سکھائی گئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عربی زبان الہامی وتوقیفی ہےدرج ذیل عربی اقتباس سے بھی اسی مفہوم کی نشاندہی ہوتی ہے جس میں ابن فارس نے قول ابن عباس کو دلیل کے طورپر بیان کیا ہے جیساکہ انہوں نے لکھا:

> **إن لغة العرب توقيف ودليل ذَلِكَ قوله جلّ ثناؤه: (وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا) فكان ابن عبّاس يقول: علّمه الأسماء كلّها وهي هَذِهِ الَّتِي يتعارَفُها الناس من: دابة، وأرض، وسهل، وجبل، وحمار، وأشباه ذَلِكَ من الأمم وغيرها۔[6]**

---

[1] Dante (1996), De Vulgari Eloquentia (Translated by: Steven Botterhill), Cambridge University Press, Cambridge, U.K., Pg. 13

[2] سورة البقرة 31:2

[3] سورة البقرة36-35:2

[4] جلال الدين عبد الرحمن بن ابی بكر السيوطی، الجامع الصغير وزوائده، حديث: 567، ج-1، مطبوعة: المكتبة التجارية، مكة المكرمة، السعودية، (ليس التاريخ موجوداً)، ص: 107

[5] ابوالقاسم علي بن الحسن ابن عساكر الدمشقي، تاريخ دمشق، ج-4، مطبوعة: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، 1995م، ص: 406

[6] ابو الحسين احمد بن فارس القزوينی، الصاحبي في فقه اللغة العربية ومسائلها وسنن العرب في كلامها، مطبوعة: مطبع محمد علی بيضون، القاهرة، مصر، 1997م، ص: 13

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

تحقیق عربی زبان الہامی ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان " وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا "(یعنی: اور اللہ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیے)ہے۔(حبر الامہ حضرت) ابن عباس (اس فرمان مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے)فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھادیے اور وہ یہی نام ہیں جنہیں لوگ پہچانتے ہیں یعنی دابۃ(چوپائے)،ارض(زمین)، سھل(نرم زمین)، جبل(پہاڑ)،حمار(گدھا)اور جو ان کے مشابہ تھے یعنی امتیں اور ان کے علاوہ دیگر نام۔

علامہ ابن کثیر نے بھی اپنی اسی رائے کا اظہار کیا ہےکہ حضرت آدم نے سب سے پہلے عربی زبان میں گفتگو فرمائی ۔([1])مذکورہ اقتباسات سے بھی واضح ہوا کہ عربی زبان الہامی ہے اور جب حضرت آدم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تخلیق فرمایا تو انہیں گفتگوکے لیے تمام اشیاء کے نام عربی زبان میں سکھائے۔پھر وہ جب اس دنیامیں آئے توحسب ضرورت ان پر الفاظ کی وحی بھی فرمائی یہاں تک کہ مجموعۂ الفاظ نےایک مکمل زبان کی صورت اختیار کرلی۔علمائے اسلام میں یہ مسلک امام اشعری کا ہے۔سعید ابن جبیر، جلال الدین سیوطی،ابن فارس،ابن زید اور ابن حاجب کی تحقیق بھی اسی مؤقف کی تائید وتوثیق پر مبنی ہے۔[2]

عربی زبان کس طرح معرض وجود میں آئی؟اس سوال کا جواب حتمی انداز میں کہیں نہیں ملتا البتہ ہم قیاس سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اتارے گئے تو وہ عربی زبان ہی بولتے تھے اور ماہرین لسانیات عربی زبان کو السنہ السامیہ میں شمار کرتے ہیں۔اور اس کے تناظر میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں سام،حام اور یافث کی اولادیں آجاتی ہیں جو کرہ ارض کے مختلف خطوں میں آباد ہوگئی تھیں۔ماہرین نے ان کی زبانوں کو آرامی،کنعانی اور عربی میں تقسیم کیا ہے۔یہ تینوں زبانیں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہیں۔تاریخ اسلامی جس عربی کا تعارف کراتی ہے وہ قبل از اسلام زمانہ جاہلیت کے عرب قبائل کی ہے جو اپنی زبان دانی اور فصیح اللسانی کی وجہ سے باقی تمام دنیا کو عجم کہتے تھے۔

ادب کی لغوی تعریف

"ادب "دال کی پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ ادیب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اور تعلیم اور تادب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اس کو النحاس(م: 338ھ)نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی استعمال کیا ہے۔وہ کہتے ہیں:

" هَذَا مَا أَدَّبَ اللهُ تَعَالَى بِهِ نَبِيَّه "۔[3]

(یہ وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو سکھایا ہے)۔

علامہ جرجانی(م:816ھ/1413ء)نے ادب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

الْأَدَبُ: عِبَارَةٌ عَنْ مَعْرِفَةِ مَا يُحرَزُبِهِ عَنْ جَمِيعِ أَنْوَاعِ الْخَطَايَ الْأَدَبُ فَوَقْنَا يُرِيدُونَ بِهِ أَدَبُ الشَّرْعِيَّة ، أَدَبُ الْخِدْمَةَ ، أَدَبُ الْحَقِّ ، آدَابُ الْبَحْثِ صِنَاعَةٌ نَظَرِيَّةٌ يَسْتَفِيدُ مِنْهَا الْأَنْسَانُ كَيْفِيَّةِ وَشَرَائِطِهَا صِيَانَةٌ لَهُ عَنِ الْخَبَطِ فِي الْبَحْثِ وَالزاماً لِلْخَصَمِ وَ أَفْحَامِهِ ۔[4]

(فرماتے ہیں ادب ایسی معرفت کا نام ہے جس سے انسان تمام اقسام کی خطاؤں سے محفوظ رہ سکے۔اور بعض اوقات ادب سے مراد شرعی آداب، خدمت کے آداب اور حق کے آداب کے بھی لیے جاتے ہیں)۔

آداب بحث سے مراد یہ ہے کہ ایسا فکری ملکہ جس سے انسان استفادہ کرتے ہوئے بحث کی تمام شرائط میں غلطی سے محفوظ رہے اور مناظرہ کرتے ہوئے اپنے مدمقابل کو خاموش کرا سکے اور اس پر غلبہ حاصل کرسکے۔

کمال بن ہمام(م:861ھ)فرماتے ہیں:ادب اچھے عادات واطوار کا نام ہے۔

---

[1] أبو الفداء إسماعيل بن عمر ابن كثير الدمشقي، قصص الأنبياء، ج-1، مطبوعة: مطبعة دار التأليف، القاهرة، مصر، 1968 م، ص: 121

[2] علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری، المبین، مطبوعہ:دارالاسلام، لاہور، پاکستان، 2008ء،ص: 53

[3] ابو جعفر احمد بن محمد بن اسماعیل النحاس، معانی القرآن (بیروت: مکتبہ النھضۃ المدینہ(۱۹۸۸ء)،۱۶۸/۳

[4] الجرجاني، علي بن محمد بن علي الزين الشريف، كتاب التعريفات، دار الكتب العلمية بيروت–لبنان الطبعة: الأولى 1983م، ص43

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

حاجی خلیفہ (م:1067ھ) نے کشف الظنون میں ادب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"عِلْمُ الْأَدَبِ: هُوَ عِلْمٌ يُحْتَرَزُ بِهِ عَنِ الْخَطَإِ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ "۔[1]

(علم ادب وہ علم ہے جس سے انسان کلام عرب میں غلطیوں سے محفوظ رہ سکے)۔

صاحب تاج العروس زبیدی (م:1205ھ) نے ادب کی تعریف یوں کی ہے:

الأَدَبُ الَّذِي يَتَأَدَّبُ بِهِ الأديب من النَّاس، سُمِّيَ بِهِ لأَنه يَقْدِبُ الناسَ إِلى المَحَامِدِ وَيَنْهَاهُمْ عَن المقابح، وأصل الأدب: الدُّعَاءُ . وقال أبو زيد الأنصاري: الأدب يقع على كل رِيَاضَةٍ مَحْمُودَةٍ يَتَخَرَّجُ بِهَا الإنسان في فضيلة من الفضائل، ومثله في التهذيب وفي التوشيح ۔[2]

ادب وہ چیز ہوتی ہے جس کے ذریعے سے ادیب مؤدب کہلاتا ہے۔ ادیب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کی محامد کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور انہیں قبیح چیزوں سے روکتا ہے۔ اور ادب کا اصل معنی دعا ہوتا ہے۔ ابو زید الانصاری فرماتے ہیں کہ ادب ہر اچھی ریاضت و کوشش پر بولا جاتا ہے۔ جس کے ذریعے سے انسان فضیلت حاصل کر سکے اور اسی طرح انسان تہذیب و توشیح میں بھی مہارت حاصل کرلے۔

المعجم الوسیط میں دکتور ابراہیم (1324ھ/1906ء) نے ادب کی تعریف یوں ہے:

أدب : راض نفسه على المحاسن الأدب رياضة النفس بالتعليم والتهذيب على مَا يَنْبَغِي وَجُمْلَة مَا يَنْبَغِي لِذِي الصَّنَاعَةِ أَو الْفَنّ أَن يَتَمَسَّك به كأدب القاضي وأدب الكاتب ۔[3]

(نفس کو محاسن کا عادی بنالیا۔ نفس کا مضبوط ہو جانا تعلیم و تہذیب کے ذریعے جتنی ضرورت ہو، اور وہ تمام چیزیں جو اہل صناعت و فن کے لیے ضروری ہوتی ہیں جیسا کہ قضا و کاتب کے آداب وغیرہ)۔

اس تعریف کے حوالہ سے دیکھا جائے تو ادب ایسا علم لگتا ہے جس کے ذریعے سے انسان تمام علوم کی ہر قسم کی خطاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔

ادب کی اصطلاحی تعریف

ادب عربی زبان کا لفظ ہے اور مختلف النوع مفاہیم کا حامل ہے۔ قبل از اسلام عربی زبان میں ضیافت اور مہمانی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں ایک اور مفہوم شامل ہوا جسے مجموعی طور پر شائستگی کہا جاسکتا ہے۔ عربوں کے نزدیک مہمان نوازی لازمہ شرافت سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ شائستگی، سلیقہ اور حسن سلوک بھی ادب کے معنوں میں داخل ہوا۔ جو مہمان داری میں شائستہ ہوگا وہ عام زندگی میں بھی شائستہ ہوگا۔ اس سے ادب کے عام الفاظ میں بھی شائستگی آئے گی۔ ادب میں خوش بیانی بھی شامل ہے۔ اسلام سے قبل خوش بیانی کو اعلی ادب کہا جاتا تھا۔ گھلاوٹ، گداز، نرمی، شائستگی یہ سب چیزیں ادب کا جزو ہیں۔

ادب کی وضاحت کرتے ہوئے احمد حسن الزیات لکھتے ہیں کہ:

"کسی زبان کا ادب اس کے شعراء اور مصنفین کا وہ عمدہ اور انوکھا کلام ہوتا ہے جس میں نازک خیالات اور باریک معانی و مطالب کی ترجمانی کی گئی ہو اور نفس انسانی میں شائستگی، افکار و خیالات اور زبان میں وسعت پیدا کرے۔ اور کبھی ادب کا اطلاق ان تصانیف پر بھی ہوتا ہے جو اس زبان کی علمی یا ادبی تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ اس اعتبار سے لفظ ادب ان تمام تصانیف کو اپنے اندر سمو لیتا ہے جو محقق علماء کے انکشافات، مصنفوں کے افکار اور شاعروں کے اچھوتے تخیلات پر مشتمل ہوں۔[4]

---

[1] حاجي خليفة، مصطفى بن عبد الله، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، دار إحياء التراث العربي، 1941-، ج1، ص44

[2] الزّبيدي، محمّد مرتضى الحسيني، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الفكر بيروت 1993ء، ج1، ص144

[3] الدكتور ابراہیم انیس، المعجم الوسیط (ترکی: المکتبہ الاسلامیہ، سن) ۹/۱

[4] احمد حسن الزیات، تاریخ ادب عربی، مترجم: محمد فرحان عاطف (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س۔ن)، ۱۹

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے مطابق:

> ادب کسی بھی قوم کے ثقافتی ورثے کا نام بھی ہے۔ زندگی کا اظہار جب ماورائے زندگی کے طریقوں سے کیا جائے تو ادب کہلاتا ہے۔ یعنی علم و دانش، شعر و خطابت، روایات و بلاغت، نحو و صرف اور لغت سب کچھ ادب کے احاطہ میں آتا ہے اور ان کا حامل ادیب کہلاتا ہے۔ [1]

دوسرے الفاظ میں اس لفظ کی تاریخ میں علم اور دین کے لفظوں کی تاریخ کی طرح بلکہ اس سے بھی بہتر طریق پر زمانہ جاہلیت کے شروعات سے لے کر عصر حاضر تک عربی ثقافت کے ارتقاء کا عکس نظر آتا ہے۔ اپنے قدیم ترین مفہوم کے اعتبار سے السنہ کا مترادف سمجھا جاسکتا ہے۔ یعنی عادت، موروثی معیار، طرز عمل، دستور جو انسان اپنے آباءواجداد سے اور ایسے بزرگوں سے حاصل کرتا ہے جنہیں قابل تقلید سمجھا جاتا ہے۔

قدیم عربی ادب کا تاریخی پس منظر

عربی ادب کا آغاز باقاعدہ منظم شکل میں پانچویں صدی عیسوی سے پہلے کا ہے۔ جسے "الجاھلیۃ الاولی" بھی کہا جاتا ہے۔ اور پھر پانچویں صدی عیسوی سے لے کر ظہور اسلام تک کا دور آتا ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں عربی ادب نے بہت زیادہ ترقی کی۔ اس دور میں عربی ادب پر مختلف مراحل گزرے۔ ہر قوم کی ادبی تاریخ ان کی سیاسی اور اجتماعی تاریخ سے وابستہ ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ادبی تاریخ سیاسی واجتماعی تاریخ پر اسی طرح مقدم ہے جس طرح عمل سے فکر و ارادہ۔ دوسرے اعتبار سے اگر ادب اور تاریخ ادب کو دیکھا جائے تو یہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے کہ قوموں کی بقاءحیات میں تاریخ ادب بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کیونکہ زبان اور اس سرمایہ معلومات کی حفاظت جو عقل و فکر کی کاوشوں سے اس میں فراہم کیا گیا ہو، وہی در حقیقت ان بنیادی قوتوں میں سے ایک قوت ہے جس پر کسی قوم کی وحدت، سربلندی اور فخر و شرف کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کو اس کے موروثی علمی و ادبی ذخیروں سے محروم کر دیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے قومی خصائص و امتیازات سے جدا ہو کر عقلی غلامی کا شکار ہو جائے گی۔ جو سیاسی غلامی سے بدر جہا بدتر ہے۔ اس پس منظر میں اگر ہم عربی ادب پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عربی ادب ان تمام خصائص و امتیازات سے پر ہے جو انسان کو ذہنی غلامی سے نجات دلاتا، حریت و آزادی عطا کرتا اور سلیقے سے زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھلاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ظہور اسلام کے وقت عربی ادب اپنے عروج پر تھا۔ اس لیے اس زبان میں قرآن مجید کا نزول ہوا۔ بہر حال عربی ادب کو درج ذیل مختلف مدارج میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- نثر قبل از اسلام
- شعر قبل از اسلام
- نثر بعد از اسلام
- شعر بعد از اسلام

دور جاہلیت

عام طور پر ذہن میں آتا ہے کہ دور جاہلیت سے قبل از اسلام کا پورا زمانہ مراد ہے۔ اور اس کا اطلاق پیدائش مسیح سے قبل و مابعد کی جزیرہ عرب کی تاریخ پر یکساں طور سے ہوتا ہے۔ لیکن عربی ادب پر بحث کرنے والے اس سے بعثت نبوی سے صرف ڈیڑھ سو سال پہلے کا زمانہ مراد لیتے ہیں جس میں عربی زبان کے خصائص و امتیازات کی تکمیل ہوئی۔ اور جس دور کے اشعار ہم تک پہنچ سکے۔ جہالت کا لفظ اس "جھل" سے ماخوذ نہیں جو علم کی ضد اور نقض کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ یہ "جھل" بمعنی بیوقوفی، غصہ اور تیزی سے ماخوذ ہے اور اس کے مقابل لفظ اسلام استعمال ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۰ء)، ۲/۲۲۹

[2] مقتدا حسن ازہری، تاریخ عربی ادب (بنارس: ادارہ بحوث الاسلامیہ، 1986)، 30-31

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

عربی لغت سے استدلال کا طریقہ کار

عربی لغت سے استدلال کے منہج پر بحث کرتے ہوئے حسین بن علی الحربی فرماتے ہیں کہ:

> کلام عرب سے استدلال کرتے ہوئے ان محاورات و لغت کو استعمال کیا جائے گا جو کہ کلام عرب میں مشہور و معروف ہوں نہ کہ شاذ، ضعیف یا منکر۔ یعنی اس میں وہ معانی و مفاہیم شامل نہیں ہوں گے جو نزول قرآن کے وقت موجود نہیں تھے یا مستعمل نہیں تھے۔ [1]

اس اصول کے لیے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۔[2]

> یہ بابرکت کتاب ہے جسے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں۔

اس مضمون کی اور آیات بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالی نے تدبر کرنے کا حکم دیا ہے اور تدبر صرف اور صرف ان کے معانی کے فہم پر منحصر ہے۔ تو معانی صرف وہ جان سکے گا جو کلام عرب یا لسان عرب سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو۔ اگر استدلال کے لیے وہ کلام عرب بھی شامل کر لیا جائے جو نزول قرآن کریم کے وقت وجود میں نہیں آیا تھا یا پھر وہ مشہور و معروف ہی نہیں تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالی ان کو ایسی چیز میں تدبر کرنے کا حکم دے رہے ہوں، جو ان کے ہاں موجود ہی نہیں یا مشہور و معروف ہی نہیں تھا۔

عربی کی فصاحت و بلاغت

عرب لوگ نہایت درجہ فصیح و بلیغ اور ماہر لسان تھے، اپنی عربی زبان کے مقابلے میں دوسری زبانوں کو ہیچ و کمتر سمجھتے تھے اور دیگر ممالک کے لوگوں کو عجمی یعنی گونگا قرار دیتے تھے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ اہل عرب نے کسی بھی زمانے یا مقام پر قوموں سے اختلاط کے باوجود اپنی زبان کے خدوخال کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ صرف معمولی آمیزش کے ساتھ ہی ان اقوام کی زبانوں کے الفاظ کو اپنی زبان میں ایسے جگہ دے دی تھی کہ غیر عربی کلمات عربی زبان کے الفاظ ہی معلوم ہوتے تھے جس سے اس کی وسعت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ ([3]) اسی احتیاط کی بنا پر اہل عرب کی فصاحت و بلاغت نمایاں تھی اور عجم کے مقابلہ میں لسانی برتر تھی۔

قریش افصح العرب

جب عام اہلِ عرب کی زبان دانی کا یہ عالم تھا کہ وہ غیر قوموں کے الفاظ کو ضرورت پڑنے پر تغیرات سے گزار کر اپنی ہی زبان کا لفظ بنا لیتے تھے تو عرب کے افصح ترین لوگ یعنی قریش اس معاملے میں اور بھی محتاط اور ہوشیار تھے۔ اوّلا تو قریش کسی غیر عربی زبان کے الفاظ کو قبول ہی نہ کرتے تھے لیکن اگر مجبوراً انکو کسی اور زبان کا کوئی لفظ مستعار لینا بھی پڑتا تھا تو وہ اسکو اس مہارت کے ساتھ اپنے کلام کا حصّہ بناتے تھے کے عام آدمی اسکو خالص عربی لفظ ہی سمجھتا تھا جسکی کئی مثالیں قرآن کریم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسی وجہ سے قریش عرب کے سب سے زیادہ فصیح و بلیغ لوگ یعنی افصح العرب کہلاتے تھے جن کی زبان میں قرآن مجید نازل کیا گیا اور اس کی نشاندہی ذیلی عبارت سے ہوتی ہے:

> كانت قريش تختار أفضل لغات العرب حتي صار أفضل لغاتها لغتها فنزل القرآن بها۔[4]

> قریش عرب کی سب سے افضل و بہتر زبان کو اختیار کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ سب سے بلند و برتر زبان ان کی زبان ہو گئی تو قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا۔

شمالی عرب کی زبان اور لہجوں نے جنوب کی زبان اور لہجوں پر غلبہ تو حاصل کیا ہی تھا مگر اسکے ساتھ ساتھ اس زبان اور اس کے لہجوں پر جہالت، بدویت اور کھردرے پن کے جو اثرات چلے آتے تھے وہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ کم ہوتے چلے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ قریش کی زبان شمالی علاقے کی تمام زبانوں

---

[1] ڈاکٹر حسین بن علی الحربی، قواعد الترجیح عند المفسرین (الریاض: دار القاسم، 1996) 2/269

[2] ص:29

[3] توفيق برو، تاريخ العرب القديم، مطبوعة: دار الفكر، بيروت، لبنان، 2001م، ص: 242

[4] وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت، الموسوعة الفقهية الكويتية، ج-30، مطبوعة: مطابع دار الصفوة، القاهرة، مصر، 1427ھ، ص: 35

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

پر حاوی ہوگئی جس کے کچھ مذہبی اور کچھ اقتصادی اور معاشرتی اسباب تھے۔([1])پھر قرآن کی اشاعت نے اس خالص زبان کومزید چار چاند لگا کر چہار دانگ عالم میں پھیلا دیااور یوں یہ افصح العرب کہلائے جیساکہ ذیلی عبارت سے واضح ہوتاہے:

أن قريشًا كانوا أفصح العرب ألسنة، وأصفاهم لغة، وأجود العرب انتقادًا للأفصح من الألفاظ۔[2]

تمام عرب میں قریش ہی زبان کے لحاظ سے واضح ترتھے اور الفاظ کی فصاحت وبلاغت کے حوالے سے عرب میں سب سے زیادہ خیال رکھنے والے تھے۔

قریش کی فصاحت لسانی اور بلاغت بیانی کے افضل واوفق ہونے پر علماء کا گویا اجماع ہے جیساکہ ذیلی اقتباس سے واضح ہوتاہے:

أجمع علماؤنا بكلام العرب، والرُّواة لأشعارهم، والعلماء بلغاتهم وأيامهم ومحالّهم أن قريشاً أفصح العرب ألْسنة وأصفاهم لغة.... وكانت قريش، مع فصاحتها وحسن لغاتها ورقة ألسنتها، إذا أتتهم الوفود من العرب تخيروا من كلامهم وأشعارهم أحسن لغاتهم وأصفى كلامهم فاجتمع ما تخيروا من تلك اللغات إلى نحائرهم وسلائقهم التي طبعوا عليها فصاروا بذلك أفصح العرب،ألا ترى أنك لا تجد في كلامهم عنعنة تميم ولا عجرفية قيس ولا كشكشة أسد ولا كسكسة ربيعة ولا الكسر الذي تسمعه من أسد وقيس۔[3]

کلام عرب کے ہمارے علماء، عرب شاعری کے راویوں اور عرب کی زبانوں،ان کی جنگوں اور ان کے حالات کو جاننے والے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بلاشبہ قریش ہی عرب میں سب سے زیادہ فصیح وبلیغ زبان والے اور ان میں سب سے صاف لہجہ والے ہیں۔۔۔اور قریش کے پاس جب عرب کے وفود آتے تھے تو قریش اپنی فصاحت،بہترین لہجہ اور زبان کی مٹھاس کے باوجود عرب وفود کے کلام اور اشعار میں سے سب سے خوبصورت لہجہ اور صاف وشفاف کلام کو چن لیاکرتے تھے پس وہ اپنی فطری طبیعت وسلیقہ کے ساتھ ان بہترین لہجوں کے بھی جامع ہوگئے اور اس کے سبب وہ عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوگئے۔کیا تمہیں یہ نہیں پتا کہ تم ان کے کلام میں تمیم کا عنعنہ، قیس کا عجرفیہ، اسد کا کشکشہ، ربیعہ کا کسکسہ اور اسد وقیس کا کسرہ دینا نہیں پاؤگے؟

قریش کی زبان کا ان اختلافات سے منزہ ہونے اورعرب کے دیگر قبائل کاقریش کی زبان ہی کو فصاحت وبلاغت میں کھرا ونکھرا ماننے کا اصل سبب یہ تھا کہ قریش مکّہ کے اصلی باشندے تھے اوران کی زبان ان قبائل کی بنسبت اصل کی حیثیت رکھتی تھی جیساکہ ذیلی عبارت سے واضح ہوتاہے:

وهو الأصل....وصارت لغتهم الأصل لأن العربية أصلها إسماعيل عليها السلام وكان مسكنه مكة۔[4]

اور وہ(یعنی نبّی زبان)ہی اصل ہے۔۔۔اور مکّہ والوں کی زبان اس لیے اصلی ہے کیونکہ عربی زبان کی اصل حضرت اسماعیل ہیں جن کا مسکن مکّہ تھا۔

قریش کی فصاحت وبلاغت اور ان کے اصلی باشندگان مکّہ ہونے کی بناپر عرب کے دیگر تمام قبائل نہ صرف ان کی حد درجہ تعظیم وتکریم کرتےتھے بلکہ اس سے بڑھ کر اپنی خصومات ومعاملات کا تصفیہ کروانے بھی قریش کے پاس آتے تھے چنانچہ ابو الحسین احمد بن فارس القزوینی فرماتےہیں:

وذلك أن الله جل ثناؤه اختارهم من جميع العرب واصطفاهم واختارمنهم نبي الرحمة محمدا صلى الله عليه وسلم فجعل قريشا قطان حرمه، وجيران بيته الحرام، وولاته فكانت وفود العرب من حجاجها وغيرهم يفدون إلى مكة للحج، ويتحاكمون إلى قريش في أمورهم وكانت قريش تعلمهم مناسكهم وتحكم بينهم۔[5]

---

[1] محمد کاظم، عربی ادب کی تاریخ،مطبوعہ: سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،پاکستان، 2004ء،ص: 26

[2] الدكتورجواد علي، المفصل فی تاريخ العرب قبل الإسلام، ج-16، مطبوعة: دار الساقي، بيروت، لبنان، 2001م، ص: 322

[3] ابو الحسين احمد بن فارس القزوينی، الصاحبي في فقه اللغة العربية ومسائلها وسنن العرب في كلامه، مطبوعة: مطبع محمد علی بيضون، القاهرة، مصر، 1997م، ص: 28

[4] ابو الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي، المخصص، ج-4، مطبوعة: داراحياءُ التراث العربي، بيروت، لبنان، 1996م، ص: 333

[5] القزوينی، احمد بن فارس ،الصاحبي في فقه اللغة العربية ومسائلها وسنن العرب في كلامها، مطبوعة: مطبع محمد علی بيضون، القاهرة، مصر، 1997م، ص: 28

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

اور یہ اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام عرب سے پسند فرماکر چنا اور ان ہی میں سے نبی رحمت (سیدنا) محمد (رسول اللہ) ﷺ کو چنا۔ پس قریش کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حرم کا خادم، اپنے گھر کا مجاور اور رکھوالا بنایا ۔پس عرب قبائل کے حاجی وفود جو مکّہ میں حج کے لیے آتے تھے اور غیر حاجی وفود دونوں اپنے معاملات میں قریش سے فیصلہ کرواتے تھے اور قریش ہی انہیں ان کے مناسک حج کی تعلیم دیتے اور ان کے درمیان فیصلہ کرتے تھے۔

درج بالاسطور سے یہ بات قطعی طورپر واضح ہوگئی کہ قریش ہی افصح العرب تھے اور زبان دانی کے ساتھ ساتھ عربوں کے لیےفصاحت وبلاغت کا مسلمہ ومتفقہ معیار تھے۔

قرآن کریم کا اسلوبِ بیان بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، جس نے نہ صرف زبان وبیان کے معیار کو بلند کیا بلکہ انسانی اخلاق، کردار اور معاشرتی اصلاح کی بنیاد بھی فراہم کی۔ بلاغت صرف خوبصورت الفاظ کے استعمال کا نام نہیں بلکہ ایسا مؤثر اسلوبِ اظہار ہے جو مخاطب کے ذہن اور دل پر گہرا اثر چھوڑے۔ عربی ادب میں یہی بلاغت اخلاقی تعلیمات کی ترسیل کا سب سے مؤثر ذریعہ بنی۔ اس تحقیق کا مقصد عربی ادب میں بلاغت کے مختلف اسالیب اور ان کے اخلاقی اثرات کا علمی جائزہ لینا ہے۔

صبر

صبر کا مفہوم لوگ عام طور پر عجز ومسکنت سمجھتے ہیں۔ لیکن لغت عرب اور اصطلاحات قرآن میں اس کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی نے اس کی تردید ان الفاظ میں کی ہے:

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ عربوں کے نزدیک صبر عجز و مذلت کے قسم کی کوئی چیز نہیں ہے ۔ جو بے بسوں اور درماندوں کا شیوہ ہے ، بلکہ یہ عزم و قوت کی بنیاد ہے ، کلام عرب میں اس کا استعمال بہت ہے اور اس کے تمام استعمالات میں اسی پر روشنی پڑتی ہے۔ [1]

اس لئے ارشاد باری تعالیٰ میں "صبر" کے ذریعے استعانت کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَاسْتَعِينُوا بالصبر والصَّلاةِ}۔[2]

(اور مدد چاہو صبر اور نماز سے)۔

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق صبر کا اصل معنی روکنا ہوتا ہے، یعنی نفس کو گھبراہٹ، مایوسی اور دل برداشتگی سے بچا کر اپنے موقف پر جمائے رکھنا صبر کہلاتا ہے۔ [3]

اس مفہوم کی تائید کے لئے حاتم الطائی (م:578ء) کا یہ شعر پیش کیا ہے:

وغمرة موت ليس فيه هوادة۔ يكون صدور المشرفي جسورها۔
صبرنا له في نهكها ومصابها۔ باسيافنا حتى يبوخ سعيرها۔[4]

اور موت وہلاکت کے کتنے ہول ناک دریا ہیں جن پر تلواروں کے پل ہیں۔ ہم نے ان کے تمام آفات وشدائد کے مقابل اپنی تلواروں کے ساتھ ثابت قدمی دکھلائی۔ یہاں تک کہ وہ ٹھنڈے پڑ گئے۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے شعر بالا نقل کر کے صبر کے لفظ کو آفات وشدائد کو برداشت کرتے ہوئے ان پر ثابت قدمی دکھانے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ پھر اس مفہوم کی تائید کے لئے اصبغ کا شعر پیش کیا ہے:

يا ابن الحجاجة المدره۔ والصابرين على المكاره۔[5]

---

[1] مولانا حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن (اعظم گڑھ: دائرہ حمیدیہ، مدرسہ اصلاح، 1990ء، ص345

[2] البقرہ:45

[3] مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن (لاہور: فاران فاونڈیشن) 1/188

[4] کرم البستانی، دیوان حاتم الطائی تحقیق وشرح (بیروت: مکتبہ صادر، س۔ن) 95

[5] عبد الحمید الفراھی الہندی، مفردات القرآن، دار الغرب الاسلامی، 2002ء، ص289

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

اے شریف سرداروں اور شدائد پر صبر کرنے والوں کی اولاد۔

اس شعر میں مولانا اصلاحی نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے، جو ایسے لوگوں کی اولاد تھے جنہوں نے ہمیشہ شدائد ومشکلات پر صبر کیا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ مزید اسی مفہوم کی تائید کے لئے زہیر بن ابی سلمہ (م:611ء) کا شعر پیش کیا ہے:

قود الجياد واصهار الملوک وصبر۔ فی مواطن لوکانوا بها سمئموا۔[1]

اصیل گھوڑوں کی سواری، شاہوں کا دامادی اور ایسے مورچوں میں ثابت قدمی جہاں دوسرے ہمت ہار بیٹھیں۔

اس شعر میں مولانا نے تین چیزیں اہمیت ومقام ومرتبہ کے حامل کی ذکر کی ہیں۔ اچھی نسل کے گھوڑے کی سواری، بادشاہوں کی دامادی اور مشکل حالات میں ثابت قدمی۔ تو یہاں صبر کو ثابت قدمی دکھانے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

پھر وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے خود بھی صبر کے اصل معنی ذکر کئے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

{وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ}۔[2]

(اور ثابت قدمی دکھانے والے سختی میں، تکلیف میں اور لڑائی کے وقت)۔

تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق لفظ صبر کے معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ اور اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشات نفس کا وہ انضباط ہے، جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلب وضمیر کے پسند کئے ہوئے راستے پر لگاتار بڑھتا چلا جائے۔[3] اس آیت کریمہ میں صبر کے تین مواقع ذکر کئے گئے ہیں۔ غربت، بیماری اور جنگ، غور کریں تو تمام مصائب وشدائد کے یہی تین سرچشمے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صبر کا اصل معنی روکنا، یعنی نفس کو گھبراہٹ، مایوسی اور دلبرداشتگی سے بچا کر اپنے موقف پر جمے رہنا صبر کہلاتا ہے۔

تقوی (پرہیز گاری)

تقوی کا اصل مادہ "وقی" ہے، اس کا معنی ہوتا ہے بچانا یا بچنا اس سے تقویٰ ہے، کہ اپنے آپ کو اس عمل سے بچانا جو غیر اخلاقی وغیر شرعی اور انسانی مروت کے خلاف ہو۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

(هُدًى لِلْمُتَّقِينَ}۔[4]

(یہ ہدایت ہے پرہیز گاروں کے لئے)۔

تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق "تقوی" کا لغوی معنی یہ ہے:

"جَعَلَ النَّفْسَ فِي وِقَايَةٍ مِمَّا يُخَافُ "[5] (اس کو ہر اس چیز سے بچانا جس سے ضرر کا اندیشہ ہو) اور عرف شرع میں ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانا تقویٰ کہلاتا ہے۔[6]

لِبَاسُ التَّقْوَى (پرہیز گاری کا لباس)

تقوی پرہیز گاری والا لباس، مقصد یہاں یہ ہے کہ تقویٰ والی زندگی، اور طرز عمل اختیار کرنا اور شریعت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے لباس پہننا، اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ}۔[7]

---

[1] کرم البستانی، دیوان زھیر بن ابی سلمہ تحقیق وشرح (بیروت: مکتبہ صادر، س۔ن) 95

[2] البقرہ:46

[3] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، 1/45

[4] البقرہ:2

[5] اصفہانی، مفردات القرآن، 881

[6] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، 1/30

[7] الاعراف:26

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

(اور پرہیز گاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے)۔

تفسیر فی ظلال القرآن کے مطابق:

" يتقى اللهَ فَيُوَارِى عَوْرَتَهُ فَذَاكَ لِبَاسُ التَّقْوَى "۔[1]

(انسان اللہ تعالی سے تقویٰ اختیار کرتا ہے تو وہ اس کے عیب چھپاتا ہے پس یہی لباس التقویٰ ہے)

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق ظاہری لباس کے ساتھ ساتھ ایک باطنی لباس بھی انسان کو عطا ہوا ہے، وہ تقویٰ کا لباس ہے جو اس لباس سے کہیں بڑھ کر ہے۔[2] تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق تقویٰ کے لباس کا دنیا کا کوئی قیمتی سے قیمتی لباس بھی اس کی خوبصورتی اور پائیداری کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔[3] اس مفہوم کی تائید میں یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں:

اذا المرء لم يلبس ثيابا من التقى--- تقلب عريانا وان كان كاسيا

وخير لباس المرء طاعة ربه--------- ولاخير فيمن كان لله عاصيا۔[4]

جب کوئی شخص تقویٰ کا لباس زیب تن نہ کرے گا تو وہ ننگا ہے اگر چہ اس نے کپڑے پہنے ہوتے ہیں، اور اطاعت خداوندی سب سے بہتر لباس ہے جو اللہ تعالی کا نافرمان ہو اس میں نام کو بھلائی نہیں ہے۔

یہ اشعار لا کر مولانا اصلاحی یہ بتانا چاہتے ہیں، تقویٰ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے، مقالہ نگار کا خیال یہ ہے کہ لباس چونکہ انسان کے عیوب چھپاتا ہے، اگر خوبصورت لباس پہن کر بھی انسان میں تقوی موجود نہ ہو تو اس لباس کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی حیثیت ہے۔

"تقوی، لباس التقویٰ" کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس کو ہر اس چیز سے بچانا جس سے اسے کوئی خطرہ ہو۔ اور لباس بھی انسان کو کئی خطرات سے بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے، اور بہترین لباس تقوی کا لباس ہے۔

تطہیر ثیاب(کپڑوں کی پاکیزگی)

"کپڑوں کی پاکیزگی "ثیاب" کا معنی عموماً کپڑا کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کو اس کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

(وَثِيَابَكَ فَطَهِّر)۔[5]

(اور اپنے دامن کو پاک رکھو)۔

مولانا اصلاحی نے معنی دامن کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں:

ثیاب کے معنی کپڑے کے ہیں، لیکن اس کا استعمال دامن کے لئے بھی ہوتا ہے اور کلام عرب کے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دامن بھی مراد ہوتا ہے۔ "

اسی مفہوم کی تائید کے لئے مولانا نے امرو القیس (م:540ء) کا یہ شعر پیش کیا ہے۔[6]

وَإِنْ تَكُ قَدْ ساءَتكِ مني خَليقةٌ ... فَسُلِّي ثِيَابي من ثيابِكِ تَنْسُلِ۔[7]

اگر میری حرکت تجھے بری لگی ہے تو میرے دامن دل کو اپنے دامن دل سے جدا کر دے تو جدا ہو جائے گا۔

---

[1] سید قطب، فی ظلال القرآن، 8/144

[2] اصلاحی، تدبر قرآن، 3/244

[3] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن: 2/26

[4] فاروق جوی، ديوان الشر العربى على مر العصور، 5/391

[5] المدثر: 4

[6] اصلاحی، تدبر قرآن، 9/44

[7] الكندي، امْرُؤُالقَيْس بن حجر بن الحارث، ديوان امرئ القيس، دار المعرفة–بيروت الطبعة: الثانية، 2004ء، ص33

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

اس شعر میں ثیاب سے دل مراد لیا گیا ہے، کہ نبی اکرم کو اپنے دل کو پاکیزہ اور صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس مفہوم کی تائید میں امرؤالقیس (م:540ء) ہی کا دوسرا مصرعہ دیکھیں۔

ثیاب بنی طهارة نقية۔[1]

بنی طہاری کے دل بالکل صاف ہیں۔

مولانا اصلاحی مزید فرماتے ہیں کہ:

> لفظ ثیاب کے اس مفہوم کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہو گا، کہ تم بالکل بے خوف ہو کر اپنے رب کی کبریائی اور وحدت کی منادی کرو، مخالفین خواہ کتنی ہی خاک بازی کریں اور کتنا ہی زور لگائیں، لیکن تم اپنے دامن دل پر نجاست شرک کا کوئی چھینٹا نہ آنے دو۔[2]

تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق لغت عرب میں پاک دامن آدمی کے لیے "طَاهِرُ الثِّيَابِ اور نَقِيُّ اللَّيْلِ" کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ (وہ پاک دامن ہے اور اس کا لباس ہر داغ سے پاک ہے)۔[3]

عربی محاورہ تطہیر ثیاب کا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہرا مفہوم تو کپڑوں کی پاکیزگی ہے، لیکن حقیقت میں اس سے مراد دامن اور دل بھی ہوتا ہے، اور اس کی تائید ان اشعار سے ہو رہی ہے۔ تو گویا آیت زیر بحث میں مفہوم یہ ہو گا کہ آپ بے خوف ہو کر اپنے رب کی کبریائی و عظمت بیان کریں یہ کافر جتنی بھی خاک بازی کریں، لیکن آپ اپنے دامن دل پر شرک کا کوئی چھینٹا بھی نہ آنے دیں۔

بر (نیکی)

یہ لفظ اچھائی، نیکی اور بھلے کام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

(أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ}۔[4]

(اور تم لوگوں کو وفاداری کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو)۔

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۔[5]

نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف۔

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق "بر" عربی زبان میں ایفائے عہد و وفاداری اور ادائے حقوق کے معنی میں آتا ہے۔[6] جبکہ دوسری آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ اس کا اصل مفہوم کسی کے حقوق کو پورا کرنا ہوتا ہے۔[7] جبکہ عربی لغت میں "بر" کا معنی نیکی، حسن سلوک وغیرہ کے آتے ہیں۔ نبی اکرم سے سوال کیا گیا کہ "بر" کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

" البر حُسْنُ الْخُلُقِ " ۔[8]

---

[1] الكندي، امرُؤالقَيس بن حجر بن الحارث، ديوان امرئ القيس، دار المعرفة–بيروت الطبعة: الثانية، 2004ء، ص111

[2] اصلاحی، تدبر قرآن، 9/44

[3] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، 5/417

[4] البقرہ:44

[5] البقرہ:177

[6] اصلاحی، تدبر قرآن، 1/187

[7] اصلاحی، تدبر قرآن، 1/421

[8] مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم (الریاض: دار السلام 1999ء) رقم الحدیث 6516۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

(بر حسن اخلاق کا نام ہے)۔

"بر" کے معنی کو کھولنے کے لیے مفسرین نے لغت کا سہارا لیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ ایفائے عہد و وفاداری اور ادائے حقوق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور اس کا مفہوم حسن سلوک بھی ہوتا ہے۔

مہمان نوازی

اخلاقیات میں ایک اہم وصف مہمان نوازی بھی ہے، اور یہ عربوں کا شیوہ تھا۔ اس حوالہ سے ذیل میں وہ دی جارہی ہیں کہ وہ کس قدر مہمان نواز تھے۔

مُقوِین (مسافر)

یہ "قواء" سے ہے۔[1] اور اس کا اصل مفہوم بنجر، اجاڑ، بے بیابان زمین ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

نحن جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ۔[2]

(ہم نے بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مند مسافروں کے لئے)۔

تفسیر فی ظلال القرآن کے مطابق: "مُقوِينَ أَي لِلْمُسَافِرِينَ" (مقوین سے مراد مسافر ہیں)۔[3]

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق "مقوین" صحراؤں اور چٹیل میدانوں میں سفر کرنے والوں کو کہتے ہیں، جہاں آگ کا حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔[4]

تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق "مقوین" اس زمین پر بولا جاتا ہے، جو آبادی سے دور اور ویران ہو۔ اس لئے۔ پھر اس کا اطلاق مسافر پر ہوتا ہے، کیونکہ بسا اوقات مسافر کو ایسے مقامات پر فروکش ہونا پڑتا ہے جہاں پانی وغیرہ دستیاب نہیں ہوتا۔[5]

عربوں میں دستور تھا کہ وہ اپنے ڈیروں پر اونچی جگہ پر الاؤ روشن کر دیتے تھے، بھولے بھٹکے مسافر وہاں آجاتے، اور وہ ان کی مہمان نوازی کرتے۔ عرب کا ایک شاعر اپنی سخاوت کا اظہار یوں کرتا ہے۔

وما اخمدت نارلنا دون طارق ---وما ذمنا فی النازلین نزیل۔[6]

رات کو آنے والے ہمارے مہمانوں کے لئے آگ نہیں بجھتی اور نہ ہی ہمارے یہاں ٹھہرنے والوں نے ہماری کبھی مذمت کی ہے۔

گویا کہ وہ لوگ حد درجہ مہمان نواز تھے اور مصنف نے یہ شعر اسی لیے پیش کیا ہے۔

"قواء" سے کیا مراد ہے؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا اصل معنی تو اجاڑ اور بنجر زمین ہوتا ہے۔ یہاں زیر بحث آیت میں اس سے مراد مسافر ہیں، جو عموماً ایسی سرزمینوں میں سفر کرتے ہیں۔

حَنِيذ (بھنا ہوا گوشت)

یہ "حنذ" سے ہے کسی چیز کا بھنا ہوا ہونا۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

{فَمَالَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذ}۔[7]

(پھر جلدی سے بھنا ہوا بچھڑا لے کر آگئے)

یہ دراصل حضرت ابراہیم کا تذکرہ ہو رہا ہے، جب ان کے پاس فرشتے آئے، تو وہ مہمان نوازی کے لئے بچھڑا ذبح کر کے بھون کر لے آئے تھے۔

---

[1] شیخ محمد الامین الشنقیطی: دراسۃ ترجیحات الشیخ الشنقیطی فی تفسیرہ اضواء البیان، ص263

[2] الواقعہ:73

[3] سید قطب، فی ظلال القرآن، 27/143

[4] اصلاحی، تدبر قرآن، 8/178

[5] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن: 5/99

[6] شیخ بہاء الدین محمد بن حسین، الکشکول (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1998ء) 2/259

[7] ہود:69

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

تفسیر فی ظلال القرآن کے مطابق[1]:

الْحَنِيذُ أَن يَشْوِيَ اللَّحْمَ عَلَى الْحِجَارَةِ الْمُحْماةِ۔[2]

(گرم کئے گئے پتھروں پر بھونا گیا تھا اور موٹا تازہ تھا)۔

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق "حنیذ" کا معنی و مفہوم بھی بھنا ہوا بچھڑا بیان کیا گیا ہے۔[3] تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق مفہوم بھنا ہوا بچھڑا ہے۔[4]

میثاق (عہد وپیمان)

یہ عربی زبان میں وعدے ومعاہدے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

{وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ} ۔[5]

(اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم سے تمہارا عہد لیا اور اٹھایا تمہارے اوپر طور کو)۔

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق میثاق کے معنی عہد وپیمان کے ہوتے ہیں۔[6] اس لفظ کی روح وثوق اور استحکام ہے، اس وجہ سے یہ خاص طور پر اس عہد وپیمان کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کسی اہم معاملے کے لئے پورے شعور اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ کیا گیا ہو، اور جس کی ذمہ داری کا تاکید کے ساتھ اظہار و اقرار کیا گیا ہو۔[7]

لفظ "میثاق" کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا معنی مفہوم پختہ وکے دہ عہد وپیمان، جس میں استحکام بھی موجود ہو، اور خصوصاً ایسے عہد وپیمان میں استعمال ہوتا ہے جو کسی اہم معاملے کے لیے پورے شعور اور احساس ذمہ داری کے ساتھ کیا گیا ہو۔

وھن (کمزوری)

اس کا معنی دل چھوٹا کرنا، کمزوری دکھانا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

{وَلا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ}۔[8]

اور دیکھو بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن صادق ہو تو تم ہی غالب رہو گے ۔

تفسیر فی ظلال القرآن کے مطابق: "لَا تَهِنُوا مِنَ الْوَهْنِ وَالْضَعْفِ"[9] (یہ وھن اور کمزوری سے ہے)[10] (مقصود یہ ہے کہ بندہ مومن کبھی بے دل، بزدل اور کمزوری نہیں دکھاتا بلکہ ہمت وجرات سے کام لیتا ہے۔

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق "وھن" کا معنی کمزوری ہے، عام اس سے کہ ضعف وکمزوری عمل کی ہو، یا ارادے کی، جسم کی ہو یا کردار واخلاق کی۔[11]

---

[1] سید قطب، فی ظلال القرآن، 2/44

[2] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر– بیروت الطبعة: الثالثة- 1414ھ، ج3، ص485

[3] اصلاحی، تدبر قرآن، 5/154

[4] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن: 2/377

[5] البقرہ:63

[6] افریقی، لسان العرب، 10/371

[7] اصلاحی، تدبر قرآن، 1/242

[8] آل عمران:139

[9] افریقی، لسان العرب، 13/453

[10] سید قطب، فی ظلال القرآن، 4/80

[11] اصلاحی، تدبر قرآن، 2/180

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

ایک حدیث مبارکہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک دور آئے گا، کہ تم سیلاب کے خس وخاشاک کی مانند ہو جاؤ گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ سبب کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے اندر وھن پیدا ہو جائے گا تو لوگوں نے پوچھا کہ وھن کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے "حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ"[1] دنیا کی محبت اور موت سے نفرت)۔

اس سے معلوم ہوا کہ، عزم و حوصلہ اور عمل وارادہ کی وہ پستی جو دنیا اور زندگی کی محبت اور موت کے خوف سے پیدا ہوتی ہے، اور انسان کو راہ حق اور جہاد سے روکتی ہے۔ وہ "وھن" ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق عمل اور رائے کی کمزوری کو وھن کہا جاتا ہے۔[2]

"وھن" کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا معنی کمزوری، بزدلی اور ایسی کمزوریاں جو انسان کے اخلاق کو گہنا دیتی ہیں، کیا گیا ہے، اور بندہ مومن کو ہمیشہ ایسے وھن سے بچنا چاہیے۔ اب یہاں کچھ ایسی صفات کی وضاحت کی جارہی ہے جو اعلیٰ اخلاق کے خلاف ہیں۔

ختار (بد عہدی)

یہ "ختر" سے ہے اس کا معنی بد عہدی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ۔[3]

(اور ہماری آیات کا انکار بس وہی لوگ کرتے ہیں جو بالکل بد عہد اور ناشکرے ہوتے ہیں)۔

تفسیر فی ظلال القرآن کے مطابق "الْخَتَّارُ شَدِيدُ الْغَدْرِ"(سخت اور بڑا غدار)۔[4] تفسیر تدبر قرآن کے مطابق یہ مبالغے کا صیغہ ہے، اس کا مفہوم بدترین قسم کی بے وفائی اور عہد شکنی کرنے والا ہوتا ہے۔ تو گویا جو عہد اللہ تعالی اور رسول کے ساتھ کیا تھا، اُس کی عہد شکنی کر رہے ہیں۔[5] تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق "ختار" کا معنی غدار کیا گیا ہے۔[6]

مفسرین کے اقوال و آراء سے "ختار" کا جو مفہوم سامنے آتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بدترین قسم کی بے وفائی وعہد شکنی اور غداری پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

مرحاً، مختال، فخور(تکبر،گھمنڈ اور فخر)

"مرحا" کا معنی اکڑ کر چلنا، "مختال" گھمنڈ کرنا اور "فخور" فخر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور یہ تینوں چیزیں اعلیٰ اخلاق کے منافی ہیں اس لئے اللہ تعالی نے ان سے روکا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

{ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ}۔[7]

(اور نہ چلا کر و زمین میں اکڑتے ہوئے بیشک اللہ تعالی نہیں پسند کرتا گھمنڈ کرنے والے فخر کرنے والے کو)۔

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق "مرح" کا معنی اکڑ کر اور اترا کر چلنا کیا گیا ہے۔[8] دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ آدمی کا غرور اس کے چہرے اور اس کی گردن سے ہی نمایاں ہوتا ہے۔ اور اس کی چال سے بھی۔[9]

تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق "المرح شِدَّة الفرح والتوسع فيه"[10](شدت فرح اور مسرور کو مرح کہا جاتا ہے)۔

---

[1] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4299۔

[2] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن: 1/278

[3] لقمان: 32

[4] سید قطب، فی ظلال القرآن، 21/86

[5] اصلاحی، تدبر قرآن، 6/165

[6] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن 3/617

[7] لقمان: 18

[8] اصلاحی، تدبر قرآن، 4/502

[9] اصلاحی، تدبر قرآن، 6/133

[10] زبیدی، تاج العروس 2/221

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

لسان العرب میں اس میں کچھ اضافہ ہے:

"المرحُ شِدَّةُ الفَرَحِ وَالنَّشَاطِ حَتَّى يُجَاوِزَ قَدْرَهُ "۔[1]

(شدت فرح و مسرور میں حد سے تجاوز کر جائے تو مرح کہلاتا ہے)

اور مختال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"المختَالُ مُتَكَبِّرٌ ذُوخُيلاءَ تَعْجُبُ نَفْسَهُ "۔[2]

(ایسا متکبر جس میں تکبر کے علاوہ خود پسندی بھی ہو)۔

اور مزید لکھتے ہیں کہ:

، ایسی لاف زنی کرنے والے نادان پر بھی بولا جاتا ہے جو اپنے غریب رشتہ داروں سے نفرت کرتا اور مفلس پڑوسیوں کو حقارت سے دیکھتا ہو۔[3]

تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق "مرحاً" کی وضاحت سورہ بنی اسرائیل کی آیت کریمہ:

ولا تمش في الأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طولا ۔[4]

(کہ نہ تم چلو زمین پر اکڑتے ہوئے (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ تم پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر بلندی میں)

فرماتے ہیں کہ انسان کے غرور و تکبر کی بے ہودگی اور لغویت کو کس عمدہ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔[5] پھر اسی مفہوم کی تائید میں اشعار بھی نقل فرماتے ہیں:

ولا تمش فوق الارض الا تواضعا ۔۔فكم تحتها قوم همومنک مارفع

وان كنت فی عزو جرزومنعة ۔۔۔۔فكم مات من قوم همومنک امنع۔[6]

کتنے اب شکم زمین میں مدفون ہیں اگر آج تو معزز و محترم اور جاہ و سطوت کا مالک ہے تو کیا ہوا تم سے پہلے بہت سی قومیں بڑی پر ہیبت تھیں لیکن اب موت کی نیند سو رہی ہیں۔

"مختال فخور، مرحاً" کے مفاہیم کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شدت فرح وخوشی سے انسان کا گھمنڈ میں مبتلا ہو جانا، اور اکثر اکڑ کر زمین پر چلنا اس کے مفہوم میں شامل ہے۔

سکرٰی (نشہ)

اس کا معنی نشہ ہونا ہے اور یہ "سکر" کی جمع ہے[7]، نشہ دور جاہلیت کی خباثتوں میں سے ایک مسئلہ تھا انسان کو اللہ تعالیٰ نے سلیم الفطرت، صحیح العقل بنایا ہے، اور یہی چیز اسے دیگر جانداروں سے ممتاز کرتی ہے۔ نشہ ایسی شے ہے کہ یہ انسانی عقل کو ختم کرتا ہے، انسان اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔ جب اسلام آیا تو بھی نشہ زوروں پر تھا، اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے نشہ کی حالت میں عبادت کرنے سے روک دیا اور فرمایا کہ:

{لا تَقْرَبُوا الصَّلاةَ وَ أَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ}۔[8]

(جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو جب تک ان الفاظ کو جو منہ سے کہو سمجھنے نہ لگو نماز کے پاس نہ جاؤ)۔

---

[1] افریقی، لسان العرب: 2/519

[2] زبیدی، تاج العروس، 7/314

[3] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، 3/611۔

[4] الاسراء: 37

[5] محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن: 2/660

[6] محمد بن حیان البستی، روضۃ المقلد ونزہۃ الفضلۃ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1977، 1/161

[7] افریقی، لسان العرب 4/372

[8] النساء: 43

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

تفسیر ظلال القرآن کے مطابق اس دور میں نشہ کی عمومی صورت شراب ہوتی تھی، جب کہ ہمارے دور میں تو نشہ بے شمار اقسام کا ہے۔ دور جاہلیت میں شراب جاہلیت کے سماج کا ایک نمایاں مظہر اور معاشرے کی روایات کا ایک حصہ تھا۔[1] بلکہ عرب شاعری شراب کے تذکرے سے بھری پڑی ہے، اور عرب شعراء نے اس کو بطور فخر کے ذکر کیا ہے جس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے لگایا جا سکتا ہے۔ اور شراب اس حد تک عام تھی کہ تجارت کے الفاظ تجارت شراب کے ساتھ خاص ہو گئے تھے اس کی تائید کے لئے سید قطب نے یہ اشعار پیش کئے ہیں۔ لبید (م: 661ء) کہتا ہے:

قد بت سامرها وغاية تاجر --- و افيت اذ رفعت رعز مدامها۔[2]

میں نے رات قصہ گوہ کے ساتھ گزاری اور اس کی تجارت صرف شراب تھی اور میں نے اس کی موافقت کی جب میں نے مسلسل شراب پی۔"

اس طرح مجالس شراب کے تذکرے اور ان پر فخر کرنا بھی عرب میں عام تھا۔ جیسا کے امرو القیس (م: 540ء) کہتا ہے کہ:

١۔ واصحبت ودعت الصباغير انى--- ار اقب حلالت من العيش اربعا

٢۔ فمنهن قولى للندامى ترفقوا--- بداجون نشاجا من الخمر مترعا

٣۔ ومنهن ركض الخيل ترجم بالقنا--- يبادرون معربا امنا ان يفزعا۔[3]

میں صبح کرتا ہوں اور بادصبا کو چھوڑتا ہوں اس حالت میں زندگی کی خوشی کی امید لگائے رکھتا ہوں شراب کے ساتھیوں سے میرا کہنا کہ نرمی کرو اور وہ شراب میں آمیزش کر کے پلا رہے ہوتے ہیں گھوڑوں کا دوڑنا وہ سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کسی گھبراہٹ کا شکار نہ ہو جائیں۔"

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق "سکری" "سکران کی جمع ہے۔ شراب کے نشے میں دھت کو کہا جاتا ہے۔ ان اشعار سے انداز الگایا جا سکتا ہے کہ شراب کو اس دور میں کیا اہمیت حاصل تھی، لوگ اپنے بچوں کو پیاسا رکھ کر شراب کا عادی بنایا کرتے تھے، اسے چھوڑنا بہت مشکل تھا۔ اس لئے ارشاد باری تعالی سے اس کی حرمت بتدریج نازل ہوئی ہے یک لخت حرام نہیں کیا گیا۔[4]

"سکر" کی وضاحت و توضیح کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا معنی نشہ ہوتا ہے، اور جاہلی شاعری سے جاہلی معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے، کہ کیسے شراب ان کی زندگیوں کا حصہ، بلکہ قابل فخر چیز تھی۔

قنوط (مایوسی)

یہ "قنط" سے ہے اور مایوسی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

{وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فرحوا بِهَا وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ }۔[5]

(اور جب ہم چکھاتے ہیں رحمت کا مزہ تو وہ پھولے نہیں سماتے اور اگر پہنچتی ہے ان کو کوئی تکلیف بوجہ ان کے کرتوتوں کے جو آگے بھیجے ہیں تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں)۔

تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق مومن حقیقی کو جب اللہ نوازتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے، جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے، اور اس کا یقین ہوتا ہے کہ اس کا مالک یہ حالت بھی تبدیل کر دے گا۔ لیکن جو مومن نہیں ہوتا اس کی حالت مختلف ہوتی ہے، خوشی کے حالت میں وہ پھولا نہیں سماتا، اور اس قدر بدمست ہو جاتا ہے، کہ نیک و بد کی بھی تمیز نہیں رہتی اور اگر کوئی تکلیف و مصیبت آجائے تو مایوس و ناامید ہو جاتا ہے۔ اسی مفہوم کی تائید میں یہ شعر پیش کیا ہے:

كحمارالسوء ان عالفته--- رمح الناس وان جاع نهق۔[6]

---

[1] سید قطب، فی ظلال القرآن، 5/72

[2] الزَّوْزَنِي، حسين بن أحمد بن حسين، شرح المعلقات السبع، دار احياء التراث العربي الطبعة: الأولى 2002ء، ص 33

[3] فاروق جوی، دیوان الشر العربی علی مر العصور، 9/284

[4] اصلاحی، تدبر قرآن، 2/302

[5] الروم: 36

[6] أبو عثمان، الشهير بالجاحظ، عمرو بن بحر، الحيوان، دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: الثانية، 1424ھ، ج 2، ص 100

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

یعنی بد خصلت گدھے کی طرح ہے اگر تو گھاس سے اس کا شکم بھر دے تو لوگوں کو دولتیاں مارنے لگتا ہے اور اگر بھوکا ہو تو ہیگنا شروع کر دیتا ہے۔[1]

"قنط" کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مفہوم مایوسی وناامیدی ہوتا ہے۔لیکن زیر بحث آیت کریمہ میں ناشکری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

شح (بخیل)

"شح" کا لفظ بخیل اور کنجوس انسان پر بولا جاتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے کہ:

{أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ}۔[2]

(پرلے درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں)۔

تفسیر فی ظلال القرآن کے مطابق "فَلَا يَبْدِلُونَ شَيَاءٌ مِنْ طَاقَتِهِمْ" وہ کسی چیز کے لیے اپنی طرف سے کچھ بھی خرچ نہیں کرتے)۔[3]

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق "الشحة"" شحیح" کی جمع ہے اس کے معنی بخیل کے بھی آتے ہیں،اور حریص کے بھی،اور یہ دونوں مفہوم ایک ہی کردار کے دو پہلو ہیں۔[4]

تفسیر ضیاء القرآن کے مطابق "شح" شدید بخل پر بولا جاتا ہے "الشح اَشَدُّ الْبُخْلِ" اور لسان العرب میں شح اور بخل میں فرق بیان کیا گیا ہے،مال میں کنجوسی پر بخل بولا جاتا ہے،لیکن مال خرچ کرنے اور کسی کے ساتھ بھلائی کرنے میں کنجوسی کو شح کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔[5]

"شح" کے معنی کو کھولنے کے لیے مفسرین نے لغت کا سہارا لیا ہے،جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لفظ بخل اور کنجوسی پہ بولا جاتا ہے،اور شدید بخل بھی اس کے مفہوم میں شامل ہوتا ہے،مال میں کنجوسی پہ بخل اور کسی دوسرے کے ساتھ بھلائی میں بخل کے لیے "شح" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

هلوع (کم ظرف)

یہ "ھلع" سے ہے اس کا معنی کم ظرف اور بہت جلد گھبرا جانے والا۔ارشاد باری تعالی ہے کہ:

{ إن الْإِنْسَانَ خَلِقَ هَلُوعًا }۔[6]

(انسان بے صبر اپیدا کیا گیا ہے)۔

تفسیر فی ظلال القرآن کے مطابق "هلُوْعاً جَزُوعًا عِنْدَ مَس الشَّرَ فَلَا يَتَصَوَّرُ أَنَّ هُنَاكَ فَرَجاً" کہ جو مصائب پر روئے پیٹے اور یہ خیال کرے کہ اب کبھی خوش حالی نہیں آئے گی)۔[7]

تفسیر تدبر قرآن کے مطابق کہ اس کا معنی بے صبرا،اور جلد باز کیا گیا ہے۔[8] اور اس کا مشاہدہ ہم دنیا میں کر رہے ہیں،کہ انسان ذرا سی بات پر گھبرا اٹھتا اور پریشان ہو جاتا ہے اور جزع فزع شروع کر دیتا ہے۔[9]

ضیاء القرآن کے مطابق جو حریص حلال وحرام میں تمیز نہ کرے اسے "ھلوع" کہتے ہیں۔اس کا معنی تنگ دل بھی کیا گیا ہے۔[10]

---

[1] محمد کرم شاہ،ضیاء القرآن:3/575

[2] الاحزاب:19

[3] سید قطب،فی ظلال القرآن،21/145

[4] اصلاحی،تدبر قرآن،6/206

[5] افریقی،لسان العرب،2/459

[6] المعارج:19

[7] سید قطب،فی ظلال القرآن،29/107

[8] افریقی،لسان العرب،8/375

[9] اصلاحی،تدبر قرآن،8/570

[10] محمد کرم شاہ،ضیاء القرآن:5/364

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

"ھلع" کے معنی کو واضح کرنے کے لیے مفسرین نے لغت کا سہارا لیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جلد باز، بے صبرا، اور کم ہمت ہونا ہے، اور یہ انسان کی ان صفات میں سے ہے جو کہ اخلاق رذیلہ میں شمار ہوتی ہیں۔

خلاصۂ تحقیق

اس تحقیق میں عربی ادب میں موجود بلاغی اسالیب اور ان کے اخلاقی اثرات کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم، احادیث نبویہ ﷺ، عربی شاعری، خطبات اور نثری ادب میں بلاغت کے مختلف فنون، جیسے تشبیہ، استعارہ، کنایہ، ایجاز، اطناب اور حسنِ تعلیل، اخلاقی اقدار کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ان اسالیب نے نہ صرف ادبی حسن پیدا کیا بلکہ قاری اور سامع کے ذہن و قلب پر گہرا اثر ڈال کر اخلاقی تربیت اور کردار سازی میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اس تحقیق سے یہ بھی واضح ہوا کہ عربی بلاغت محض ادبی فن نہیں بلکہ اصلاحِ معاشرہ اور اخلاقی شعور بیدار کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

نتائجِ تحقیق

- عربی بلاغت اخلاقی تعلیمات کی مؤثر ترسیل کا بہترین ذریعہ ہے۔
- قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں بلاغت نے اخلاقی پیغام کو زیادہ مؤثر اور دل نشین بنایا ہے۔
- عربی شاعری اور نثر نے حسنِ اخلاق، عدل، دیانت، صبر اور اخوت جیسے اوصاف کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔
- بلاغی اسالیب انسانی فکر، جذبات اور کردار پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں۔
- عربی ادب کی بلاغت معاشرتی اصلاح، تہذیبی ارتقاء اور اخلاقی شعور کی بیداری میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔
- جدید تعلیمی نظام میں عربی بلاغت کے اخلاقی پہلوؤں پر مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

سفارشات و تجاویز

- جامعات اور مدارس میں عربی بلاغت کے اخلاقی پہلوؤں پر خصوصی تحقیقی منصوبے شروع کیے جائیں۔
- عربی ادب کی اخلاقی تعلیمات کو جدید تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جائے۔
- قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ کے بلاغی اسالیب پر مزید تحقیقی کام کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
- عربی ادب کے کلاسیکی اور جدید متون میں اخلاقی اقدار کے تقابلی مطالعے کو فروغ دیا جائے۔
- نوجوان نسل میں حسنِ اخلاق اور مثبت کردار کی تشکیل کے لیے عربی ادبی متون سے استفادہ کیا جائے۔
- بلاغت کے ذریعے اخلاقی پیغام رسانی کے جدید ذرائع، جیسے ڈیجیٹل میڈیا اور تعلیمی پلیٹ فارمز، کو مؤثر انداز میں استعمال کیا جائے۔

اختتاماً یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی ادب کی بلاغت نہ صرف زبان و بیان کا اعلیٰ ترین فن ہے بلکہ انسانی اخلاق، کردار سازی اور معاشرتی اصلاح کا ایک مؤثر اور دائمی ذریعہ بھی ہے۔ اس لیے اس موضوع پر مزید تحقیقی و تنقیدی مطالعات علمی دنیا کے لیے نہایت مفید ثابت ہوں گے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.04 (2025)

مصادرومراجع

1. قرآن کریم
2. ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، کتاب العبر و دیوان المبدا والخبر، مکتبۃ التجاریۃ، 1994ء
3. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ادارۃ الحرم لاہور، 1316ھ
4. ابن ماجہ، محمد بن زید، سنن ابن ماجہ، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی، س ش نامعلوم
5. اصبہانی، ابو نعیم احمد بن عبداللہ، المسند المستخرج علی صحیح الامام المسلم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س ش نامعلوم
6. ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، زاد المعاد، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، 1994م
7. ابن کثیر، حافظ ابو الفداء عماد الدین اسماعیل ابن عمر، دار الطیبہ، للنشر والتوزیع، طبع ثانیہ، 1420ھ
8. ابن جریر طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، تاریخ الامم والملوک، دارالتراث بیروت، طبع ثانیہ، 1387ھ
9. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک، 1305ھ
10. بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، شعب الایمان، تحقیق محمد سعید بسیونی، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1410ھ
11. ترمذی، الامام ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی، س ش نامعلوم
12. التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، المکتبۃ الاسلامیہ بیروت، 1405ھ
13. حنبل، امام احمد ابن حنبل، مسند حنبل، مؤسسۃ قرطبہ القاھرہ، س ش نامعلوم
14. خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل اردو بازار لاہور، 2009م
15. دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن دارمی، دارالکتاب العربی بیروت، 1407ھ
16. رومی، جلال الدین مولانا، مثنوی معنوی، سازمان چاپ تہران، س ش نامعلوم
17. زبیدی، محمد بن محمد، تاج العروس من جواہر القاموس، دارالہدایۃ، بیروت س ش نامعلوم
18. زرکلی، خیر الدین بن محمود بن علی الاعلام، دارالعلم للملا ئیین بیروت، 2002م
19. طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، دارالکتب العلمیۃ بیروت، 1407ھ
20. علاؤالدین، علی بن حسام، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الخامسہ، 1401ھ
21. عیسٰی، ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری، شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ش نامعلوم
22. عز الدین، ابن عبدالسلام، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، مطبع حسینیہ قاہرہ، 1934م
23. عسقلانی، ابن حجر، تہذیب التہذیب، مطبع دائرۃ النظامیہ الہند، طبع اول، 1326ھ
24. الغزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، المستصفٰی فی علوم الاصول، مطبع امیریہ، بولاق قاہرہ، 1322ھ
25. قرطبی، ابو عمر یوسف بن عبداللہ، جامع بیان العلم و فضلہ، دار ابن جوزی، سعودی عرب، 1994ء
26. مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، طبع ثانیہ 1375ھ
27. النسائی، ابو عبدالرحمٰن، احمد بن شعیب، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، س ش نامعلوم